Humen Happiness (۲) دماغی اور جسمانی صحت Mental and Physical Health

(۳) کردار کی نشوونما Character Development (۴) جرائم سے تحفظ Crime Prevention

(۵) سماجی استحکام Community Solidarity (۶) اخلاقی زندگی Moral Living

(۷) تحفظِ حیات Safety Living (۸) معاشی زندگی Economy Living

(۹) جمہوری زندگی Democratic Living

عہد نبوی کی تفریحی سرگرمیاں:

{1} عیدین: ہر قوم کے لیے قومی خوشی کے ایام مقرر ہوتے ہیں، جن میں وہ حسبِ استطاعت اچھا کھاتے اور اچھا پہنتے ہیں اور دلچسپ مشاغل میں مصروف ہو کر اپنی خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں۔

ایک عید پر دو کم سن بچیاں' ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہادی ترانے پڑھنے لگیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**یا ابا بکر! ان لکل قوم عیداً وھٰذا عیدنا**'' [بخاری، کتاب العید، باب ۳ :سنة العیدین لاهل الاسلام ۵۱۶/۲] ''اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بیشک ہر قوم کی کوئی نہ کوئی تہوار ضرور ہوتی ہے، اور آج ہماری عید کا دن ہے۔''

عید کا لفظ ''عـــود'' سے مشتق ہے، جس کا معنیٰ ''لوٹنا'' ہے۔ عید کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ تہوار ہر سال اسی دن لوٹ کر آتی ہے۔ اسلام نے ''**نوروز**'' اور ''**مہرجان**'' کے بدلے ''**عیدالاضحیٰ**'' اور ''**عیدالفطر**'' کو تہوار کے طور پر مقرر کیا۔ ان کے احکام اور فضائل حدیث شریف اور فقہ اسلامی کی کتابوں میں تفصیل سے موجود ہیں۔ ان دنوں میں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کھانے پینے، اور خوبصورت لباس پہن کر ایک دوسرے ملاقات کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شرعی آداب کے مطابق خوشی منا کر ایک مسلمان اللہ پاک سے ثواب بھی حاصل کرتا ہے۔ (جاری ہے)

قسط:1

اور موت ناچتی رہی

میاں انوار اللہ

﴿ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والأنفس والثمرات وبشر الصابرین ۞﴾[البقرۃ: ۱۵۵] ''اور ہم ضرور تمہیں کسی قدر خوف اور بھوک میں مبتلا کر کے اور جان و مال اور پھلوں کے خسارہ سے آزمائیں گے، اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے۔''

1946ء کے ملک گیر الیکشن میں مسلم لیگ نے دو سیٹوں کے علاوہ تمام مسلم نشستوں پر کامیابی کا جھنڈا لہرا کر ثابت کر دیا کہ وہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے جو عظیم ملک پاکستان کی وارث ہوگی۔ اس عظیم کامیابی پر مسلمان عید منا رہے تھے۔ مٹھائیوں کی تقسیم اور مبارکبادیوں کا سلسلہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

ادھر ہندو اور سکھ اس کامیابی پر جل بھن رہے تھے، کہ اب تو ہماری ''ماتا'' بھارت کے ٹکڑے ہوں گے، ایک ٹکڑا پاکستان ہوگا جس پر پھر مسلمان ہی حکومت کریں گے۔ کیونکہ انہوں نے تو لارڈ کلائیو سے لے کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن تک ہر استعماری حکمران کی غیر مشروط اطاعت ہی اس لیے کی تھی کہ مسلمانوں سے ان کی سات سو سالہ حکمرانی کا بدلہ لے سکیں۔

3 جون 1947ء کے اعلان آزادی نے ان کے سینوں پر مونگ دل دیے۔ انہوں نے پھر حکومت برطانیہ کو اپنی ازلی وابدی وفاداری کا واسطہ دے کر اپنی بے جا حمایت پر آمادہ کر لیا۔ یہیں سے فضا مکدر ہونا شروع ہوئی۔

دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے انڈین آرمی بالخصوص مسلم یونٹ سنگاپور، ملائشیا، مڈل ایسٹ وغیرہ میں انگریزوں کی حمایت میں لڑ رہی تھی۔ گو جاپان کے سرنڈر ہو جانے کے بعد امریکہ اور اتحادیوں نے اس سے من پسند شرائط پر معاہدہ امن کیا۔ جنگ بند ہوئی تو حکومت برطانیہ نے ہندوؤں اور سکھوں کی طرفداری کرتے ہوئے غیر مسلم یونٹ سب سے پہلے واپس ہندوستان بھیجے۔ ان ہندو یونٹوں نے بھی اپنے آپ کو تعصب اور مذہبی دیوانگی میں رنگ لیا۔ اور بلا سوچے سمجھے سکھوں کی خوشنودی کے لیے مسلم آبادی کا جینا حرام کر دیا۔

اس سے سکھوں کو شہ مل گئی، وہ افواہیں گھڑ کر خوف و ہراس پھیلانے لگے۔ یہ خبریں زبان زد تھیں کہ سکھ اچانک حملہ

آور ہوں گے، لوٹ مار اور قتل وغارت سے اودھم مچائیں گے، ساتھ ہی یہ حملے شروع ہو گئے۔ جو مسلمان گاؤں کسی مسلمان گاؤں پر ایسے حملے کی خبر سنتا تو اس کے گبرو جوان برچھے، نیزے اور ڈانگیں لیے اس مظلوم گاؤں کے مکینوں کی مدد کو جا پہنچتے۔ اس امداد نے سکھوں کو اور مشتعل کر دیا، کیونکہ یہ امداد انہیں من مانی کرنے سے کافی حد تک روک کا سبب بنتی تھی۔ جوان طبقہ تو عموماً روزانہ گاؤں سے آؤٹ چلا جاتا، ان کی عدم موجودگی میں سکھوں کی طاقت کے مست ہاتھی کو قابو کرنے کیلئے گاؤں میں ہر کنبے نے اپنی چھتوں کا ایک چوتھائی پکی اینٹوں کے روڑوں سے بھر رکھا تھا۔ مرد تو آمنے سامنے سکھوں کا مقابلہ کریں گے، عورتوں اور بچے چھتوں سے ان حملہ آوروں کے روڑوں سے سر پھوڑیں گے۔

روڑوں والی تھیوری 3 جون 1947ء سے اب تک اکثر جگہ مطلوبہ ریزلٹ دے چکی تھی۔ یہ دیسی دفاعی ہتھیار مسلم آبادی کے ہاتھ لگ چکا تھا۔ گو سکھ اس کا مزہ چار پانچ جگہ چکھ چکے تھے، لیکن انڈین آرمی کی ہندو سکھ رجمنٹ اس سے نا آشنا تھی۔ چونکہ کانگریس نے مسلم لیگ سے خدا واسطے کا بیر پال رکھا تھا، اس سے ایک طرف فضا میں گھٹن بڑھی اور دوسری طرف ہندو سکھ یونٹس نے مسلمانوں کو ''ملیچھ''، یعنی **ناپاک** کہ کر صفحۂ ہستی سے مٹانا شروع کر دیا۔

آخر کار حکومت برطانیہ نے ہندو سکھ اتحاد کا ساتھ دیا، اور مسلم آبادی کے بہت سے علاقے 14 اگست 1947ء کے اعلان میں ہندوستان کو دے دیے، حالانکہ 3 جون 1947ء کے فارمولے کے تحت یہ علاقے پاکستان میں شامل تھے (یہیں سے خونی مسئلہ کشمیر نے جنم لیا، جس کی آزادی کیلئے تادم تحریر ایک لاکھ سے زائد مسلمان اپنی جانیں نچھاور کر چکے ہیں، لیکن یہ شیطان کی آنت ویسی کی ویسی ہے۔ اس ظالمانہ تقسیم نے آزادی کشمیر کی جنگ رن آف کچھ، 1965ء اور 1971ء کی جنگوں کو جنم دیا۔ 1981ء میں پھر 2003ء میں پاکستانی اور بھارتی فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ اگر اس مرتبہ جنگ کا طبل بجتا تو ایٹمی جنگ ہوتی اور دونوں اطراف میں ایسی تباہی ہوتی کہ ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہی ٹھگنی نظر آتی۔)

یہ جنگ عظیم دوم کا زمانہ تھا۔ اگرچہ جاپان اور جرمنی کی شکست کے نتیجے میں جنگ بند ہو چکی تھی، لیکن انڈین مسلح افواج کی مسلم اور غیر مسلم یونٹس ابھی تک سنگاپور، ملائشیا اور مڈل ایسٹ میں ہی تھیں۔ اعلان آزادی پر ان کی وطن واپسی کا عمل تیزی سے شروع ہوا، لیکن اس موقع پر بھی مسلمانوں کے خلاف ہندو سکھ بغض وعناد سامنے آیا۔ ہراول دستوں میں صرف غیر مسلم آرمی Units تھیں، شاید ایک فیصد مسلم سولجر بھی ہوں۔ ان ہندو، سکھ، مرہٹہ اور گورکھا یونٹوں کے ذہنوں پر مسلمانوں کے ''ملیچھ'' ہونے کا درس اس خوبی سے راسخ کیا گیا تھا کہ جب انہیں ''قیامِ امن'' کیلئے پبلک پر مسلط کیا گیا تو

انہوں نے مسلمانوں کو جوان کے نزدیک ملیچھ تھے' خوب ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔اس سے ہندوؤں اور سکھوں کے مورال ایسے بڑھے کہ انہوں نے ایکا کرلیا کہ اب ہندوستان صرف اور صرف ہمارا ملک ہے،اس لیے مسلمانوں کو زندہ وسلامت پاکستان نہیں جانے دینا ہے۔یہی سوچ مسلمانوں کے گاؤں پر شب خون مارنے کی بنیاد تھی۔

اور پھر قتل وغارت سے سکھ جو''اکالی دل'' کہلاتے تھے قہقہوں پہ قہقہے لگاتے۔جو ایک فیصد مسلم فوجی واپس آئے انہوں نے فوراً صورت حال کو بھانپ لیا۔یہ شاہین''بلوچ رجمنٹ'' کے تھے۔گو ہمیں تو ان سے کوئی فائدہ نہ ہوا لیکن بعد میں آنے والے مہاجرین سے ان فوجیوں نے خوب دادِ شجاعت وصول کی۔ان کا مورال اتنا بلند تھا کہ انڈین آرمی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔مقصد صرف اور صرف لٹے ہوئے اور بے سہارا مسلمانوں کو اپنے وطن عزیز پاکستان پہنچانا تھا۔اس میں یہ مسلم فوجی بلکہ مسلم ہیرو سو فیصد کامیاب رہے۔لیکن تعداد کی قلت نے مسئلہ کھڑا کیا،کیونکہ ہر قافلہ کو ریسکیو کرنا اور ہر جگہ بروقت پہنچنا ان چند آدمیوں کیلئے ناممکن تھا۔

ہر انسان کو زندگی میں کچھ ایسے حالات سے واسطہ پڑتا ہے جو اس کے قلب وذہن میں اَن مِٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں،اور شعور کی تہوں میں بسیرا کر لیتے ہیں۔راقم الحروف کو بھی حصول آزادی کی راہ میں ایسے ہی مرحلے سے گزرنے کی نوبت آئی ہے۔یہ آپ بیتی آپ بھی سنیے!!

یہ ایک اداس شام تھی،فضا میں گھٹن گھٹن سی تھی،اکثر چہرے اَنجانے خوف میں مبتلا تھے۔چند دنوں سے سکھوں نے علاقے میں اودھم مچا رکھا تھا۔سکھ اچانک مسلمان آبادی پر حملہ آور ہوتے،گاؤں سے باہر زمینداروں کے بھوسے کے کپوں☆ کو تیل چھڑک کر آگ لگا دیتے،پھر''چور مچائے شور'' کے مصداق شور مچاتے کہ سکھ آ گئے۔مسلمان اس اچانک مصیبت کا سن کر گھروں سے باہر آتے تو یہ لوٹ مار اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دیتے۔ایسی گھٹی گھٹی فضا میں بے سہارا انسانوں کا انجانے خوف میں گھر جانا ایک فطری بات ہے۔ترسوں ہم نے عیدالفطر کی نماز بھی پیرائیویٹ سکیورٹی گارڈز کے زیر انتظام ادا کی۔

21 اگست 1947ء کو تو اداسی کا یہ عالم تھا کہ کسی پل آرام نہیں،لے دے کے دن گزرا۔ابھی بستروں پر لیٹے ہی

☆ یہ کُپ گاؤں سے باہر گندم کا بھوسہ ذخیرہ کرنے کیلئے بنائے جاتے۔ان کی ساخت میں کپاس کی خشک چھڑیاں اور گندم کے خشک تنے جسے دیہات میں ناڑ کہتے ہیں' استعمال ہوتے تھے۔

تھے کہ آہ و پکار کی آواز نے ہمیں چوکنا کر دیا۔ یہ آوازیں مظلوم مسلمانوں کی تھیں جو ہمارے گاؤں سے پانچ چھ میل اوپر رہتے تھے۔ سکھوں نے انڈین آرمی کے سایہ تلے شب خون مارا۔ کٹورہ گاؤں خون سے نہایا ہوا ہمارے گاؤں پہنچ گیا، ہمارا گھر چونکہ مین روڈ پر تھا، اس لئے دیکھتے ہی دیکھتے ساڑھے تین کنال کی حویلی ان نو وارد مہمانوں سے بھر گئی ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ کسی کی ٹانگ زخمی ہے تو دوسرے کا بازو کٹا ہوا ہے، کان ناک اکثر کے زخمی تھے۔ عورتوں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ ان میں بعض کے اندرونی حصے تک زخمی تھے جسموں پر جا بجا کرپانوں (تلوار کی قسم کا ہتھیار جو سکھ حملہ آور استعمال کرتے تھے)، برچھیوں اور گولیوں کے نشان تھے۔ بعد میں عقدہ کھلا کہ یہ منصوبہ بندی کالی دل کی تھی جن کی سنگدلی انتہائی سفاکیت اور بربریت کا مظہر تھی۔

پانچ چھ میل کوئی بڑا فاصلہ تو نہیں، ہمارے گاؤں کے سیانے سر جوڑ کر بیٹھے اور گاؤں کو فوراً خالی کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ ہم نے افراتفری کے عالم میں سحری تک گاؤں خالی کر دیا۔ دو اڑھائی میل دور ایک وسیع و عریض میدان تھا۔ رات کے گھپ اندھیرے میں اسی میں ڈیرے ڈال دیے۔ ہمارے گاؤں خالی کرنے کی خبر ''جنگل کی آگ'' کی طرح پھیل گئی۔ قرب وجوار کے تمام گاؤں والے اپنے گھر بار چھوڑ کر ہمارے ساتھ آملے۔

یہ دس بارہ گاؤں کا ایک بے ہنگم ہجوم تھا جو نہتا تھا، بے سہارا و بے آسرا تھا، منزل کا علم تھا لیکن راستے سے ناآشنا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قائد کوئی نہ تھا جو اس نازک موقع پر سب لوگوں کو ایک پرچم تلے جمع کرتا۔ صبح ہوئی تو سہمے سہمے ماحول میں آٹھ نو جہاندیدہ افراد اور تین معمر بزرگ ڈھارس بندھا رہے تھے، باقی سب پچیس اور تیس سال کے نوجوان تھے۔ دل بڑا کر کے گاؤں کا پتہ کرنے گئے۔ وہاں انڈین آرمی کی جیپ میں تین فوجی اور دو قریبی گاؤں کے نمبردار سکھ تھے۔ فوجی خاموش رہے، لیکن سکھ نمبردار کہنے لگے کہ ہم نے ہر لحہ تمہاری جاسوسی جاری رکھی، تم لوگوں نے کمال سرعت سے گاؤں خالی کر کے عقلمندی کا مظاہرہ کیا۔ ورنہ آج شب خون کیلئے اسی گاؤں کی باری تھی۔ جیپ میں موجود فوجی مسکراتے رہے۔

یہ دس بارہ گاؤں کا غیر منظم ہجوم ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی آگے بڑھتا رہا۔ تین دن اسی عالم میں گزرے، ایک دن تو دوپہر کے وقت سکھوں کے حملے کا شور مچا۔ درختوں کے علاوہ اور کوئی پناہ گاہ نہ تھی، دل کڑا کے وہیں بیٹھے رہے۔ یہ شور بے جا نہیں تھا، گھنٹہ بعد سکھ گھڑ سوار آئے۔ اور ظاہراً طفل تسلیاں دیکر چلے گئے، لیکن قافلہ والوں پر خوف نے پنجے گاڑے رکھے۔ قافلے کا سائز بڑھتا رہا۔ سفر جاری رہا، چوتھے دن ایک بڑے قافلے کی صورت اختیار کر گیا، راہنما کی کمی کا احساس بھی بڑھتا رہا۔ بزرگوں نے ملکی حالات اور فرقہ واریت کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ سفر معروف راستوں پر نہ کیا جائے،

تا کہ انڈین آرمی اور سکھوں سے ہر لحہ نبرد آزمانہ ہونا پڑے۔ قافلے میں مقابلے کی سکت نہ تھی، کوئی ہتھیار پاس نہ تھا، صرف چند لوگ برچھے اور نیزے سے لیس اور کچھ ڈنڈا بردار تھے۔

یہ نہتا قافلہ دشمن کا ''ترنوالہ'' نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس حکمت عملی کے تحت ہم غیر معروف راستوں پر ہو لیے، لیکن جس جگہ سے ہزاروں لوگ گزریں، وہ خود بخود ایک معروف راستہ بن جاتا ہے۔ یہی کچھ ہمارے ساتھ ہوتا رہا۔ رات کے وقت پڑاؤ ڈالا جاتا، صبح پھر سفر پر رواں دواں ہو جاتے۔ راستے میں جتنے گاؤں آئے، سب میں ''ہو'' کا عالم تھا، ان کے باسی جا چکے تھے۔

ایک گاؤں والے ابھی تک رہائش پذیر تھے، انہوں نے کمال مہمان نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دروازے ہم پر کھول دیے۔ دریائے ستلج کے کنارے برج نامی گاؤں تھا، ریلوے لائن بھی قریب سے گزر رہی تھی، اس جگہ ہم نے ایک دن رات قیام کیا۔ نہا دھو کر کپڑے صاف کیے، سفر کی تھکاوٹ دور کی۔ یہاں بھی اس سے زیادہ قیام خطرے سے خالی نہ تھا۔

جب ہم چلے تو سب اہل دیہہ بھی اس قافلے کا حصہ بن گئے۔ چھٹے دن ''مکھو'' پہنچے، یہ اکالی دل کا گڑھ تھا، یہاں پولیس سٹیشن بھی تھا۔ یہاں تعینات پولیس اور اکالی دل دونوں کا مشن ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کو اذیتیں دے دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور مال و دولت پر قبضہ کر لیا جائے۔ ان کا طریقۂ واردات کچھ یوں تھا کہ پہلے پہل یہ لوگوں کی انفرادی تلاشی لیتے، پھر ''بے ضرر'' ہونے کی تسلی کر کے پہلے سے متعین سکھ سکارڈ کے پاس روانہ کر دیتے جن کا کام مسلمانوں کا قتل عام تھا۔ ہم سے پہلے گزرنے والے دو قافلے ''مکھو'' کے سکھوں کا ترنوالہ بن چکے تھے۔ ہمارا قافلہ یہاں آیا، تو ''مکھو'' کے خونی ڈراموں کی خبریں زبان زد تھیں، ہم بھی اس سے غافل نہ تھے۔ تاہم قافلے کے سیانے اکٹھے ہوئے اور سلطان فتح علی ٹیپوؒ کے مقولے ''**شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے**'' پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کیا اور تلاشی دینے سے مطلقاً انکار کر دیا۔

قافلے کے معمر لوگوں نے اعلان کروا دیا: ''اے لوگو! مانا، کہ دشمن کے پاس پکی (تھری ناٹ تھری) رائفلیں ہیں، گولیاں ہیں اور گھوڑے بھی۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان کی اکثریت کرپانوں سے مسلح ہے، یہ ہمیں ڈرا رہے ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تاریخ کی وہ کونسی جنگ ہے جس میں مسلمانوں کے پاس وافر ہتھیار اور گولہ بارود تھا ہم تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ نہتے ہونے کے باوجود اگر ہمت کریں تو ان کے ہتھیاروں اور گولہ بارود پر قبضہ کر سکتے ہیں، لیکن اس کے لئے جوان مردی

اور قربانی اولین شرط ہے۔''

اس اعلان کا حریت پسندوں پر خوب اثر ہوا۔ اسی اثنا میں ایک کونے سے یہ آواز فضا میں بلند ہوئی:
﴿یٰأیها الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰة ان اللہ مع الصابرین ۞﴾ [البقرة :152] ''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' ﴿ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیآء ولٰکن لا تشعرون ۞﴾ [البقرة: 153] ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو، درحقیقت وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں'' جیسے ہی ان آیات کی تلاوت ختم ہوئی' قریب سے یہ آواز پوری شدت کے ساتھ سنی گئی: ﴿فاذکرونی اذکرکم﴾ [البقرة: ١٥٤] ''تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔'' اس قافلے کا ہر فرد سیسہ پلائی دیوار ﴿بنیان مرصوص﴾ [الصف: 4] بن گیا۔

﴿فاذکرونی اذکرکم﴾ کی صدا کا یہ اثر ہوا کہ قافلے میں شامل قوت گویائی والا ہر فرد ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ذکر میں مشغول ہو گیا۔ قافلے سے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ ﴿انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ﴾ [یوسف: 86] ''میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔'' کا ذکر بھی بلند ہوا۔

اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور مظلوم، نہتے بندوں کی آہیں برق رفتاری سے ساتوں آسمان عبور کر کے کائنات کے خالق کے پاس جا پہنچیں۔ دشمن اس وقت ظاہری کروفر سے ہمیں مرعوب کر رہا تھا۔ ''جے ہند'' اور ''ست سری اکال'' کے نعرے لگا رہا تھا۔ بلکہ دشمن کے ایک دو موٹے تازے بندوں نے تو میدان جنگ کے درمیان آ کر ہوائی فائر بھی کیے اور دعوت مبارزت دی۔ ہم خاموش رہے، دو تین منٹ بعد یہ ہوا میں اپنی رائفلیں اور کرپانیں لہراتے ہوئے لوٹے۔

عین اسی لمحے ایک سمت سے ایک قبیلہ نمودار ہوا، یہ لوگ اُوڈ تھے اور ہماری طرح ہجرت کر کے پاکستان جا رہے تھے قبیلے میں ایک چھریرے جسم کا چاق و چوبند شخص عبدالعزیزؒ نامی تھا، جو انفنٹری کا ریٹائرڈ نائیک تھا۔ اسے دوسری جنگ عظیم کا تجربہ بھی تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک عدد تھری ناٹ تھری رائفل کا مالک تھا۔ گولیوں کی دو عدد بیلٹ بھی پاس تھیں۔ اس نے فوراً صورت حال کو بھانپ لیا اور قافلہ والوں کی صف بندی شروع کر دی۔ اگلی صف میں 20 تا 40 سال کے لوگ تھے، جو تمام ڈنڈا بردار تھے، دوسری صف میں 40 تا 52 سال کے لوگ تھے، تیسری میں عورتیں اور بچے۔ آخری صف میں سکیورٹی گارڈ برچھا بردار صف بندی تیزی سے مکمل کی گئی۔ سب سے یہ عہد لیا گیا کہ معرکے کا ریزلٹ جو بھی ہو بزدلی کا